GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

Alif Laila in Arabic Literature: A Study
عربی ادب میں الف لیلہ :ایک مطالعہ

Saqlain Ahmad Khan (Saqlain Sarfraz)
Lecturer Deptt of Urdu, Islamia University of Bahawalpur
saqlainsarfraz218@gmail.com
Abid Hussain
Assistant Professor (Urdu), Government Postgraduate College, Sariab Road, Quetta
khanabadosh81@gmail.com

Abstract

Alif Laila is as popular in the Arabic language as Homer's epics in world classical literature. In this story, the story of a lustful king and an intelligent storyteller is presented. In this story, Greek, A mixture of Egyptian and Babylonian stories is seen. A French orientalist named Antoine Gland found the source of this story and translated it into French, which made this story universally accepted.It was first translated into English by Edward W. Lane, but the authentic translation is believed to be by Richard Burton. It was translated into Urdu by various translators as "Alif Laila Al-Ma'roof Ba Hazar Dastan". Some of the characters in this story are fictional, some history. In view of this story, it has also been filmed. The first film was "The Thief of Bagdad".Films were released under the name of "Hatam Tai" in India, "Hazar Dastan" in Pakistan. According to some researchers, this story is derived to some extent from the literary heritage of Hindi and then Iran, rather than Arabic.

Keywords : Alif Laila, Arabic Literature, World Classics, Orientalists, Characteristics.

ملخص: الف لیلہ کو عربی زبان میں اتنی ہی مقبولیت حاصل ہے جتنی عالمی کلاسیک ادب میں ہومر کی رزمیہ نظموں کو۔اس قصے میں ایک جنسی ہوس کا شکار بادشاہ اور ایک ذہین قصہ گو لڑکی کی کہانی کو پیش کیا گیا ہے۔اس قصے میں یونانی، مصری، بابل کی داستانوں کی آمیزش نظر آتی ہے۔انتونی گلینڈ نامی فرانسیسی مستشرقین نے اس قصے کا ماخذ ڈھونڈ نکالا اور اس کا ترجمہ بھی فرانسیسی زبان میں کیا جس سے اس قصے کو عالمی سطح پر پذیرائی ملی۔انگریزی میں پہلے پہل اس کا ترجمہ ایڈورڈ ڈبلیو لین نے کیا، لیکن مستند ترجمہ رچرڈ برٹن کا مانا جاتا ہے ۔اردو میں اس کا مختلف مترجمین نے "الف لیلہ المعروف بہ ہزار داستان" کے نام سے کیا گیا۔اس قصے میں کچھ کردار افسانوی ہیں کچھ تاریخی۔اس قصے کے پیشِ نظر اس کو فلمایا بھی جا چکا ہے۔سب سے پہلی فلم "بغداد کا چور" بنی۔ہندوستان میں "حاتم طائی"، پاکستان میں "ہزار داستان" کے نام سے فلمیں منظر عام پر آئیں۔کچھ محققین کے پیشِ نظریہ قصہ عربی کی بجائے کسی حد تک ہندی اور پھر ایران کے ادبی ورثے سے ماخوذ ہے۔

کلیدی الفاظ : الف لیلہ، عربی ادب، عالمی کلاسیک، مستشرقین، خصائص

الف لیلہ، تعارف و پس منظر:

الف لیلہ کا عربی ادب میں وہی مقام ہے جو عالمی ادب میں ہومر کی ' اوڈیسی ' کا ہے۔اسے عربی کا کلاسیکی شاہکار کہا جاتا ہے۔اس کا پورا نام ' الف لیلۃ ولیلۃ ' ہے۔ عربی میں الف 'ہزار کو کہتے ہیں اور لیلۃ ' رات کو۔یعنی ایک ہزار ایک راتیں۔یہ ایک ہزار ایک کہانیوں پر مشتمل داستان ہے۔اس لیے اسے ' ہزار داستان ' بھی کہا جاتا ہے۔اس کے اولین حصے کا تحریری عہد آٹھویں صدی عیسوی بتایا جاتا ہے۔جب عرب قصہ گوؤں نے اس کا آغاز کیا۔روایتاً بعدازاں ترک، مصری اور ایرانی قصہ گوؤں نے اس میں اضافے کیے۔

قصے کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ سمرقند کا بادشاہ شہریار اپنی ملکہ کی بے وفائی سے دل برداشتہ ہو کر عورت ذات سے ہی بدظن ہو گیا۔اس نے دستور بنالیا کہ ہر رات ایک باکرہ لڑکی سے شادی کرتا اور اگلے روز اس کا سر قلم کروا دیتا۔صورت حال یہ ہو گئی کہ لوگ اپنی بچیوں کو لے کر ریاست سے بھاگنے لگے اور بادشاہ کے لیے لڑکیاں کم پڑنے لگیں۔بادشاہ کے لیے لڑکیوں کا انتظام وزیر کے ذمے تھا۔اس کی دو بیٹیاں شہر زاد اور دنیا زاد تھیں۔اس کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے شہر زاد ' بادشاہ سے شادی پہ راضی ہو گئی۔شادی کی پہلی رات اس نے بادشاہ کو قائل کر لیا کہ وہ اسے مرنے سے پہلے اسے ایک کہانی سنانا چاہے گی۔اس نے کہانی کہنا شروع کی، صبح ہوئی تو کہانی ایک دلچسپ موڑ پہ ختم ہوئی۔بادشاہ نے آگے کا پوچھا تو شہر زاد نے کہا کہ اگلا حصہ اگلی رات کو۔بادشاہ نے کہانی سننے کے لیے اسے قتل کرنے کا ارادہ مؤخر کر دیا۔یوں شہر زاد ہر رات اسے ایک دلچسپ کہانی میں مگن رکھتی۔یہاں تک کہ ایک ہزار ایک راتیں گزر گئیں۔اس دوران اس کے ہاں تین بچے بھی ہو گئے۔آخر میں بادشاہ کو اپنی ناانصافی کا احساس ہوتا ہے، اور وہ اسے قتل کرنے کا ارادہ مؤخر کر کے بچوں سمیت اپنا لیتا ہے۔اور سب ہنسی خوشی رہنے لگتے ہیں۔

یہ وہ پس منظر ہے جس سے ان قصوں کا خمیر اٹھا ہے۔کہا یہ جاتا ہے کہ الف لیلہ کی اکثر کہانیاں بابل، مصر اور یونان کی قدیم لوک داستانوں کو شامل کر کے لکھی گئیں۔اس لیے اس میں مختلف خطوں کا کلاسیکی رچاؤ بھی ملتا ہے۔البتہ اس پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ ان قصوں کا زمانہ آٹھویں صدی عیسوی کا ہے۔بعدازاں اس میں اضافے بھی ہوتے رہے۔اور ایک ہزار ایک کہانیاں مکمل ہونے کے بعد ہی اس کا نام ' الف لیلہ و لیلہ ' رکھا گیا۔

الف لیلہ کا ماخذ:

یہ دلچسپ امر ہے کہ مشرقی ادب کے اس شاہکار کی دریافت کا سہرا مغربی مستشرقین کے سر ہے۔اسے سب سے پہلے نامی فرانسیسی مستشرق نے اٹھارویں صدی میں ڈھونڈ نکالا۔انتونی گلینڈ مشرقی علوم میں Antonie Galland میں دلچسپی رکھتا تھا۔وہ خود بھی ایک زبردست قصہ گو تھا۔اسے سب سے پہلے ایک فرانسیسی کتب خانے سے سند باد کی کچھ حکایات ہاتھ آئیں۔اس نے جلد ہی ان کہانیوں کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کر دیا۔بعدازاں اسے علم ہوا کہ سند باد کی یہ کہانیاں دراصل ' الف لیلہ ' نامی عربی حکایات سے ماخوذ ہیں۔جس کے بعد اس نے اس شاہکار کی تلاش شروع کی۔عربی ادب کے پارکھ اور ناقد محمد کاظم کے بقول،

"گلان کو حلب میں ایک ایسا شخص مل گیا جس کے پاس الف لیلہ کی چار جلدیں موجود تھیں۔گلان نے اس سے یہ چاروں جلدیں لے لیں اور ۱۷۰۴ میں ان کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرنا شروع کیا اور تیرہ سال کے عرصے میں اسے بارہ جلدوں میں تکمیل کو پہنچایا۔(۱)"

گو کہ یہ مکمل ترجمہ نہ تھا، مگر اس کے توسط سے پہلی بار اس عرب شاہکار کے لیے عالمی دنیا کے قاری کا دروازہ کھلا۔اور یہی اس کی اصل اہمیت ہے۔ وگرنہ عربی ادب کے ماہرین اس ترجمے کو نہایت کمزور اور گمراہ کن بھی قرار دیتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ انتونی گلانڈ نے اس میں اپنی قصہ گوئی کی صلاحیت کا بھی بھرپور استعمال کیا، کہیں قصوں میں اپنا رنگ جمایا تو کئی قصوں میں اپنی طرف سے گھڑے واقعات بھی شامل کر دیے۔مگر اس ترجمے نے فرانسیسیوں کے دل موہ لیے۔جس زمانے میں (۱۷۰۴تا۱۷۱۷) یہ تراجم شائع ہو رہے تھے، کہا جاتا ہے کہ اُس زمانے میں فرانس کے محل سراؤں سے لے کر، گلیوں بازاروں تک انھی قصوں کی دھوم تھی۔لوگ نہایت شدت سے اس کی اگلی قسط کا انتظار کرتے۔

یہی ترجمہ آگے چلا اور ابتدائی طور پر تمام تراجم اسی ماخذ سے کیے گئے۔ انگریزی، اطالوی، جرمنی، یونانی اور روسی زبانوں کے علاوہ سپین، پرتگال، رومانیہ، ہالینڈ، ڈنمارک، سویڈن اور ہنگری کی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوئے۔ اس کی شہرت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ فرانسیسی میں ابھی اس کا ترجمہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ ۱۷۱۳ میں انگریزی میں بھی ساتھ ساتھ ہی اس کے ترجمے کا آغاز ہو چکا تھا۔

انگریزی ترجمہ:

جیسا کہ ذکر ہوا کہ الف لیلہ کی شہرت کے باعث اس کا انگریزی ترجمہ فرانسیسی ترجمے کے ساتھ ہی شروع ہو چکا تھا۔ انگریزی میں ایڈورڈ ڈبلیو لین اور جان پین نے ابتدائی تراجم کیے۔ مگر انگریزی کا مشہورِ زمانہ ترجمہ سر رچرڈ برٹن نے ۱۸۸۵ میں مکمل کر کے شائع کیا۔ جسے شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔ حتیٰ کہ اردو تراجم کے لیے بھی زیادہ تر اسی سے استفادہ کیا گیا۔ انگریزی ترجمے نے اس عربی شاہکار کو جست لگا کر عالمی کلاسیکی ادب کا حصہ بنا ڈالا۔ جس کے بعد یہ دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ترجمہ ہوا، نیز اس پہ فلمیں بھی بنائی گئیں۔

اُردو ترجمہ

مشرقی ادب کے اس عالمی فن پارے کا اردو ترجمہ بیسویں صدی میں کہیں جا کر ہوا۔ اُردو کی معروف ویب سائٹ 'ریختہ' پر اس کا جو اولین ایڈیشن 'الف لیلہ المعروف بہ ہزار داستان' کے نام سے موجود ہے(۲)، اس میں مترجم کا نام کہیں درج نہیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اسے مختلف مترجمین نے مکمل کیا۔ اس لیے اس پہ مترجم کا نام نہیں لکھا گیا۔ نیز یہ باتصویر ایڈیشن ہے۔ ناشر کی جگہ جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تاجرانِ کتب، چوڑیوالان دہلی درج ہے۔ بعد ازاں اس کا ایک مقفیٰ و مسجع ترجمہ رتن ناتھ سرشار اور مولوی عبدالکریم نے بھی کیا۔ جسے جدید عہد میں ۲۰۱۱ میں سنگِ میل نے انتظار حسین کے پیش لفظ کے ساتھ شائع کیا۔ جب کہ اس کی دوسری اشاعت آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے زیرِ اہتمام شمس الرحمان فاروقی اور اجمل کمال کی زیرِ ادارت ۲۰۱۲ کو چار جلدوں میں عمل میں آئی۔ انتظار حسین اپنے پیش لفظ میں بتاتے ہیں کہ اردو میں جن بزرگوں نے الف لیلہ منتقل کی ان میں "، مولوی عبدالکریم، رتن ناتھ سرشار، مرزا حیرت دہلوی اور (ابوالحسن) منصور احمد کے نام خاص ہیں۔(۳) " اس ترجمے کے متعلق آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ،

> "سرشار نے الف لیلہ کو ترجمہ نہیں کیا ہے۔ کتاب کے پہلے ایڈیشن میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ انھوں نے بکمالِ فصاحت و بلاغت انگریزی و عربی الف لیلہ سے ترجمہ کر کے ناول کے ڈھنگ پر تحریر کیا ہے۔ ناول کے ڈھنگ پر تحریر کرنے کی کیفیت یہ ہے کہ انھوں نے جو کہانیاں مناسب سمجھی ہیں، اردو میں منتقل کی ہیں، مگر اس طرح کہ طویل کہانیاں ان کے یہاں چند صفحوں میں سما گئی ہیں۔(۴)"

الف لیلہ کا اردو میں ایک اور رواں ترجمہ علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر، ڈاکٹر ابوالحسن منصور نے کیا۔ جو ۱۹۴۰ سے ۱۹۴۶ کے درمیان سات جلدوں میں انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی کے سلسلہ مطبوعات کے تحت شائع ہوا۔ اس کا جدید ایڈیشن پاکستان میں تخلیقات نے ۲۰۰۹ میں شائع اسی طرح سات جلدوں میں شائع کیا۔(۵) یہ سب سے آسان، سادہ، سلیس اور رواں ترجمہ ہے جو اصل متن کے نہایت نزدیک ہے۔

الف لیلہ کے معروف کردار:

الف لیلہ کی اصل داستان تو ویسے بادشاہ شہریار، ملکہ شہرزاد اور اس کی بہن دنیازاد کے گرد گھومتی ہے۔ مگر اس میں جن دیگر تاریخی اور افسانوی کرداروں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے چند اہم کردار مندرجہ ذیل ہیں:

افسانوی کردار	الہ دین	سند باد جہازی	علی بابا	مرجینا	نائی اور مچھیرا
تاریخی کردار	ہارون رشید	خسرو پرویز	شیریں	برامکہ	حاتم طائی

الف لیلہ پر بنائی گئی فلمیں:

الف لیلہ کے قصوں سے ماخوذ سب سے زیادہ فلمیں انگریزی میں بنائی گئیں۔اس سلسلے کی سب سے پہلی فلم" بغداد کا چور ۱۹۲۴ "میں بنی۔اسی نام سے پھر ۱۹۴۰، ۱۹۵۲اور پھر ۱۹۶۱ میں بھی فلمیں بنیں۔جب کہ اس سلسلے کی سب سے مشہور فلم" عربیین نائٹس ۱۹۴۲ "میں بنی۔اسی نام سے پھر ۱۹۵۹اور ۱۹۷۴ میں فلمیں بنیں۔الہ دین ۱۹۹۲ میں بنی۔(۶)

ہندوستان میں حاتم طائی کے نام سے ۱۹۹۰ میں فلم بنی۔

پاکستان میں بھی اس داستان سے استفادہ کرتے ہوئے اسے فلم سازی میں استعمال کیا گیا۔۱۹۶۵ میں" ہزار داستان "کے نام سے فلم آئی۔جس کاری مکس" الہ دین "کے نام سے ۱۹۸۱ میں پیش کیا گیا۔جب کہ" حاتم طائی ۱۹۶۷ "میں ریلیز ہوئی۔(۷)

عربی ادب میں الف لیلہ:

یہ کیسی عجب بات ہے کہ عرب کی سرزمین پر جنم لینے والی کہانیوں کی یہ کہانی، مغرب کے توسط سے دنیا تک پہنچی مگر خود اپنی جنم بھومی میں اٹھارویں صدی تک یہ گم نامی کی دھند میں پڑی رہی۔دنیا اس شاہکار سے تب وقت واقف ہوئی جب فرانسیسی سے ہوتی ہوئی یہ داستان انگریزی میں ترجمہ ہوئی۔ تبھی عربی ادب میں بھی اس کا شہرہ ہوا اور اس کے اصل متن کی تلاش از سرِ نو شروع ہوئی۔عربی ادب نے اپنے اس کلاسیکی نثر پارے سے اتنا عرصہ کیوں کر اغماز برتے رکھا؟اس کی ایک وجہ بیان کرتے ہوئے محمد کاظم لکھتے ہیں:

"الف لیلہ کے عربی ادبیات میں بار نہ پاسکنے میں ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ عربی ذہن اپنی ساخت کے اعتبار سے تصور وخیال کے مقابلے میں وصف وبیان سے زیادہ مطابقت و موانست رکھتا ہے۔وہ امیجی نیٹو کم اور ڈسکرپٹو زیادہ ہے۔(۸)"

یعنی ان کا یہ ماننا ہے کہ عربوں کے ہاں چوں کہ فصاحت وبلاغت کا رواج تھا اس لیے وہ شعر گوئی کی طرف مائل تھے۔کم الفاظ میں زیادہ بات کہنے کو وہ فصیح مانتے تھے۔

عربی مثل ہے کہ "خیر الکلام ما قل ودل "یعنی بہترین کلام وہ ہے جو مختصر ہو لیکن مطلب واضح کرے۔جب کہ الف لیلہ ایک طویل داستان ہے، قصہ در قصہ ہے،اس کی زبان بھی عامیانہ ہے۔کیوں کہ اس کا تعلق عام آدمی سے تھا۔شعر گوئی و شعر فہمی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، جب کہ کہانی کا بنیادی قاری ہی عام آدمی ہے۔اس لیے اس کی شعریات و لسانیات مکمل طور پر عام آدمی کی ذہنی سطح کے مطابق رکھی جاتی ہے۔اور عربوں میں زبان کی فصاحت وبلاغت کے پیش نظر محمد کاظم کے بقول، یہ مفروضہ دلوں اور دماغوں کے اندر بیٹھ گیا تھا کہ جو چیز عوام کی خاطر تصنیف کی گئی ہو اور جس سے عوام کی دل جوئی اور تفریح مقصود ہو،وہ' ادب 'کے زمرے میں کبھی شمار نہیں ہو سکتی۔کیوں کہ عرب اپنی زبان اور قادر الکلامی پر نہایت فخر کرتے تھے۔پند و نصائح، قصیدہ، ہجو، طعنہ، ان کے ہاں عام تھے۔وہ بھلا ایسی عامیانہ زبان سے بھری، کہانی در کہانی سناتی داستان کو کیوں کر منہ لگاتے۔جس کا اول و آخر مقصد سننے والوں کو تفریح بہم پہنچانا تھا۔

یہی بات انتظار حسین کچھ اس طرح کرتے ہیں:

"الف لیلہ کی کہانیاں انسانی فطرت سے آشنائی پیدا کرتی ہیں۔۔۔۔انسانی فطرت کے اس مطالعے میں نہ تو جذبات وتعصبات کو دخل ہے، نہ کوئی اخلاقی معیار راہ میں حائل ہے۔الف لیلہ کے مصنفوں نے وعظ وپند کا فرض اپنے ذمے نہیں لیا ہے۔وہ کسی منبر پر نہیں کھڑے ہیں، کسی اونچے مقام سے نہیں بولتے۔اپنی طرف سے کوئی تبصرہ، کوئی رائے زنی نہیں کرتے۔بھول چوک کی اس پوٹ کو جیسا انھوں نے جانا ہے، پیش کر دیا ہے۔(۹)"

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

یہی وجہ ہے کہ الف لیلہ سے عربی ادبیات ایک عرصے تک کنارے کنارے رہا، تاوقتیکہ کہ مغربی مستشرقین کے ذریعے اسے عالمی پذیرائی اور وقعت نصیب ہوئی۔

الف لیلہ کا ہندی ماخذ:

محمد کاظم ممکنہ طور پر اس اغماز کی ایک اور حیران کن اور دلچسپ وجہ بھی بتاتے ہیں۔ وہ یہ کہہ کر حیران کر دیتے ہیں کہ ''الف لیلہ کا موطن و مبدہ عرب کی سرزمین نہیں ہے، بلکہ کسی حد تک ہند اور پھر ایران کی سرزمین ہے۔(۱۰)'' اس کے لیے دلیل وہ یہ لاتے ہیں کہ اول تو اُس زمانے میں پہلوی زبان میں ہندی اور ایرانی کہانیوں کی ایک کتاب 'ہزار افسانہ' کے نام سے مشہور تھی، جس میں اسی طرز پر کہانی در کہانی قصہ چلتا ہے۔ اس لیے اس کتاب کے پہلے حصے پر فارسی اور ہندوستانی رنگ غالب ہے۔ مزید وہ اس کے لیے ایک ہندی کہانی کا مرکزی خیال بتاتے ہیں کہ جس میں ایک عورت اپنے خاوند کے دور دراز سفر پر جانے کے بعد کسی دوسرے شخص سے پینگیں بڑھانا چاہتی ہے تو گھر کا پالتو توتا اپنے مالک کی وفاداری میں اسے اس فعل سے بچانے کو ایک انوکھا طریقہ کھوجتا ہے۔ وہ روزانہ سورج غروب ہونے کے بعد اپنی عاشق مزاج مالکن کو ایک کہانی سناتا ہے اور دیر گئے اسے ایک دلچسپ موڑ پر لا کر کہتا ہے کہ باقی کا حصہ کل اسی وقت، اگر تم گھر پہ رہیں تو سناؤں گا۔ یوں روز وہ کہانی سے کہانی نکالتا ہے، حتیٰ کہ شوہر واپس آجاتا ہے۔ کاظم صاحب کے بقول الف لیلہ کا مرکزی خیال اور بنیادی فریم ورک اسی ہندی کہانی سے ماخوذ ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے مقدس صحیفوں سے لے کر پنچ تنتر وغیرہ میں قصہ گوئی کا یہی طرز رائج رہا ہے۔ بعدازاں یہ کہانیاں سفر کرتی ہوئی فارس اور پھر عرب سرزمین تک پہنچیں تو انھوں نے اس میں اپنا علاقائی، جغرافیائی و ثقافتی رنگ شامل کر کے اسے ایک ہزار ایک کہانیوں تک پہنچا دیا۔ اور کیوں کہ اس کی پرورش اور تکمیل وہیں ہوئی، اس لیے یہ عربی کلاسیک کہلائے، ورنہ اس میں برصغیر سے لے کر فارس و مصر تک مشرق کے سبھی رنگ اور ذائقے محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

فروری ۲۰۱۰ء میں مادری زبانوں کے عالمی دن کے موقع پر ہندوستان کی جواہر لعل یونیورسٹی نے اس ادبی شاہکار پر ایک، سہ روزہ عالمی سیمینار منعقد کروایا، جس میں مشرق سے لے کر یورپ تک کے عالم فاضل شامل ہوئے، تو وہاں بھی مقامی ادیبوں نے یہی دعویٰ کچھ اس طرح کیا کہ اس عالمی شہ پارے کی ابتدائی کہانیوں کا ماخذ اور مرکزی تھیم ہندوستان کی سرزمین سے ملتے ہیں۔ دلی سے اس سیمینار کو رپورٹ کرنے والے بی بی سی اُردو کے نامہ نگار مرزا اے بی بیگ نے لکھا کہ 'ہندوستان کا اس سلسلے میں یہ دعویٰ ہے کہ اس کی کہانیاں ان کی ہیں کیونکہ ان کے یہاں ایسی کہانیوں کی روایت رہی ہے۔ بہر حال یہ تو طے ہے کہ پنچ تنتر کی کہانیاں پہلے عربی زبان میں کلیلہ و دمنہ کے نام سے ترجمہ ہوئیں اور پھر وہاں سے فارسی زبان میں آئیں'۔(۱۱)

اس معاملے میں محمد کاظم کی یہ رائے صاحب معلوم ہوتی ہے کہ،

''الف لیلہ قسم کے شاہکاروں پر کسی ایک ملک یا قوم کا اجارہ نہیں ہوا کرتا۔ وہ دنیا کے سارے لوگوں کے لیے ہوتے ہیں اور ہر ملک میں اپنے ملکی ادب کی حیثیت سے ان کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔(۱۲)''

جب کہ انتظار حسین یہ کہہ کر ساری بات سمیٹ لیتے ہیں کہ،

''الف لیلہ ہماری اجتماعی ذات کی دستاویز ہے۔(۱۳)''

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ محمد کاظم، ''عربی ادب میں مطالعے''، نقشِ اول کتاب گھر لاہور، ۱۳۹۹ھ (۱۹۷۸)، ص ۱۰

۲۔

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

https://www.rekhta.org/ebooks/alf-laila-hazar-dastan-mukammal-unknown- author-ebooks-1?lang=ur

۔انتظار حسین، ’’ہزار داستان‘‘، سنگِ میل لاہور، ۲۰۱۱، ص ۳۱۶

۔ایضاً، ص ۱۶۔۴۱۷

۔ابوالحسن، منصور احمد، ’’الف لیلہ و لیلہ (ایک ہزار ایک داستان) جلد اول تا ہفتم‘‘، تخلیقات لاہور، ۵۲۰۰۹

۔الف۔لیلہ۔و۔لیلہ https://ur.wikipedia.org/wiki/۶

۷ ۔https://jang.com.pk/news/780985

۔محمد کاظم، ص ۸۲۶

۔انتظار حسین، ص ۹۱۴

۔محمد کاظم، ص ۱۰۱۶

۔۱۱ https://www.bbc.com/urdu/india/2010/02/100225_arabian_nights_sz

۔محمد کاظم، ص ۱۲۳۲

۔انتظار حسین، ص ۱۳۱۵